Publisher: Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi
Vol.25 Issue: 02 (July – December 2026)
Date of Publication: 30- December 2026
HEC Category, **Y**: (2026-2027)

eISSN: 2664-0171,
pISSN: 1992-8556

معارفِ اسلامی

Title	بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام رسول اللہ ﷺ کی تحریری دستاویزات: ایک تاریخی و تحقیقی مطالعہ
Authors & Affiliations	حافظ طاہر عبداللہ صدیقی Assistant Professor & Principal — DHA College & School System (DHACSS), Iqra Campus hafiztahir@live.co.uk
Dates	***Received :*** 22-**0**8-202**6** ***Accepted:*** 5-10-20**26** ***Published:*** 20-11-2026
Page	***60-83***
Citation	
Copyright	
Publisher	Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad, Pakistan https://aiou.edu.pk/

Indexing & Abstracting Agencies

IRI(AIOU)	HJRS(HEC)	Tehqiqat	Asian Indexing	Research Bib	Atla RDB	SIS
Islamic Research Index	HJRS HEC Journal Recognition System	تحقیقات	ASIAN Research Index	Academic Resource Index ResearchBib	ATLA Religion Database	SIS

بین الاقوامی تعلقات کے تناظر میں حضرت عمرو بن حزمؓ کے نام رسول اللہ ﷺ کی تحریری دستاویزات: ایک تاریخی و تحقیقی مطالعہ

Written Documents from the Messenger of Allah (PBUH) Addressed to Hazrat Amr bin Hazm (RA) in the Context of International Relations: A Historical and Analytical Study

Abstract

Following the establishment of the Islamic state in Medina, the Holy Prophet Muhammad (PBUH) adopted systematic measures to implement Shari'ah and organize newly incorporated territories. This study examines the written document attributed to Hazrat Amr bin Hazm (RA), appointed governor of Najran, Yemen, around 10 AH (631 CE), as an important source for understanding early Islamic governance and jurisprudence. The study addresses the research question: What are the historical, religious, administrative, and jurisprudential significance of the document issued to Amr bin Hazm, and how can its principles inform contemporary Islamic governance? The objectives are to analyse the textual contents of the document, assess its historical significance, identify the Shari'ah rulings embodied in it, and explore its relevance to modern welfare-state principles. Using a qualitative, analytical, and historical methodology, the study examines the document in light of classical Islamic sources and jurisprudential evidence. The findings indicate that the document provides comprehensive guidance on worship, Zakat, Diyat, family relations, and social responsibilities, demonstrating an integrated approach to religious and administrative governance. It further reflects principles of justice, accountability, social welfare, and protection of rights. The study recommends further critical examination of the document's textual and isnad status and comparative analysis with other Prophetic letters and treaties to strengthen its contribution to contemporary Islamic governance discourse.

Keywords: Amr bin Hazm; Prophetic Governance; Islamic Governance; Shari'ah Jurisprudence; Najran Document; Welfare State

تمہید

نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد نئے فتح شدہ علاقوں میں شرعی نظام کے نفاذ اور معاشرتی تنظیم کے لیے حکمت عملی اپنائی[1]۔ اس مقصد کے لیے آپ ﷺ نے مختلف خطوں میں اپنے نمائندوں کو بھیجا تاکہ وہ لوگوں کو توحید اور رسالت سے آگاہ کریں اور اسلامی احکامات نافذ کریں[2]۔ ان نمائندوں کو تحریری ہدایات دی گئیں، جو ابتدائی اسلامی قانون کے اہم ثبوت کے طور پر کام کرتی ہیں[3]۔ ان میں سے ایک کلیدی دستاویز حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو دی گئی، جب انہیں 10 ہجری (631 عیسوی) کے قریب یمن کے علاقے نجران کا حاکم مقرر کیا گیا[4]۔ یہ مکتوب محض ایک انتظامی خط نہ تھا، بلکہ ایک جامع شرعی رہنما تھا، جس میں عبادات (مثلاً نماز)، مالیات (مثلاً زکوۃ)، جرائم کی سزائیں (مثلاً دیت)، اور خاندانی حقوق (مثلاً صلہ رحمی) جیسے موضوعات شامل تھے[5]۔ اس مطالعے کا مقصد اس دستاویز کے متن کا تجزیہ، اس کی تاریخی اہمیت، اور اس سے اخذ شدہ فقہی احکامات کی تفصیلی وضاحت کرنا ہے، تاکہ اس کے دینی و عملی کردار کو اجاگر کیا جاسکے۔ یہ عہد نامہ اسلامی طرزِ حکمرانی کا نمونہ پیش کرتا ہے اور آج بھی فلاحی ریاست کے اصولوں کے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے[6]۔

تحقیق کا تعارف

نبوی عہد میں تحریری مکاتیب، معاہدات اور انتظامی ہدایات ریاستی نظم، دعوت، بین القبائلی روابط اور مختلف مذہبی گروہوں کے ساتھ تعلقات کی تشکیل میں اہم تھیں۔ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام دستاویزات اسی روایت کا نمایاں نمونہ ہیں، جن میں دینی تعلیم، مالی نظم، عدالتی ذمہ داری اور مقامی انتظام کے اصول یکجا ہوئے۔ یہاں بین الاقوامی تعلقات سے مراد جدید قومی ریاست کا تصور نہیں بلکہ سیاسی ابلاغ، نمائندگی، معاہداتی ذمہ داری اور مرکز و اطراف کے منظم روابط ہیں۔

تحقیق کا مقصد

اس تحقیق کا مقصد حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے نام رسول اللہ ﷺ کی تحریری دستاویزات کے تاریخی پس منظر، روایتی مآخذ، انتظامی و قانونی مضامین اور بین الاقوامی تعلقات سے متعلق اصولوں کا جائزہ لینا ہے۔

تحقیقی سوالات

تحقیق کے بنیادی سوالات یہ ہیں:

- ان دستاویزات کی تاریخی اور روایتی حیثیت کیا ہے؟

- ان میں کون سے دینی، مالی، عدالتی اور انتظامی اصول بیان ہوئے ہیں؟ اور
- یہ اصول نبوی عہد کے بین القبائلی روابط، ریاستی نمائندگی اور تحریری سفارت کاری کو سمجھنے میں کس طرح معاون ہیں؟

تحقیق کی اہمیت

یہ مطالعہ ایک معروف نبوی دستاویز کو فقہی احکام کے ساتھ ریاستی ابلاغ اور ذمہ دار حکمرانی کے متن کے طور پر بھی دیکھتا ہے۔ نمائندے کی تقرری، تحریری اختیار، مالی ذمہ داری، تعلیم، عدل اور معاشرتی تحفظ کا باہمی تعلق سیرت، اسلامی قانون، سیاسیات اور بین الاقوامی تعلقات کے درمیان بین العلومی مطالعے کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔

سابقہ تحقیقی مواد کا جائزہ

اس مکتوب سے متعلق مواد کتبِ حدیث، سیرت، تاریخ اور فقہ میں منتشر ہے۔ السنن الکبریٰ للبیہقی، مصنف عبد الرزاق، سیرت ابن ہشام، المغازی للواقدی اور تاریخ الطبری اہم مصادر ہیں، جبکہ فقہی مصنفین نے بالخصوص زکوٰۃ، دیت اور انتظامی احکام میں اس سے استدلال کیا ہے۔ سابقہ مباحث زیادہ تر روایت، فقہی حجیت یا جزوی احکام پر مرکوز ہیں؛ موجودہ تحقیق انہی مباحث کو تحریری سفارت کاری اور ریاستی نمائندگی کے تناظر میں مرتب کرتی ہے۔

تحقیقی طریقۂ کار

تحقیق میں تاریخی، توصیفی اور تجزیاتی طریقۂ کار اختیار کیا گیا ہے۔ بنیادی حدیثی، سیرتی اور تاریخی مصادر سے متن، روایت اور پس منظر مرتب کرنے کے بعد اردو ترجمے اور فقہی مضامین کا موضوعاتی تجزیہ کیا گیا۔ پھر دعوت، مالی نظم، عدل، نمائندگی اور تحریری اختیار سے متعلق نکات کو بین الاقوامی تعلقات کے وسیع تاریخی تناظر میں سمجھا گیا ہے۔ اسنادی اختلافات کو ملحوظ رکھتے ہوئے مطالعے کا مرکزی دائرہ متن کے تاریخی و انتظامی مفاہیم تک محدود رکھا گیا ہے۔

حضرت عمرو بن حزمؓ کا تعارف

حضرت عمرو بن حزمؓ صحابیِ رسول ﷺ میں سے تھے، جن کا تعلق قبیلہ بنی نجار سے تھا۔ وہ مدینہ منورہ کے انصار میں سے تھے اور غزوہ بدر سمیت متعدد غزوات میں شریک ہوئے۔ ان کا پورا نام عمرو بن حزم بن زید بن لوذان بن عمرو بن عبد عوف بن غنم بن نجار تھا۔ ان کی والدہ کا نام سعدہ بنت عامر تھا۔ وہ نہ صرف ایک بہادر جنگجو تھے بلکہ دینی علم اور قائدانہ صلاحیتوں کے حامل بھی تھے۔ نبی اکرمؐ نے انہیں یمن کے علاقے نجران کا حاکم مقرر کیا، جہاں انہوں نے اسلامی قوانین نافذ کیے اور لوگوں کو دین کی تعلیم دی۔ اس تقرری کے موقع پر نبی اکرمؐ نے انہیں ایک مکتوب عطا کیا، جس میں زکوٰۃ، دیت، حدود، اور دیگر شرعی احکام کی تفصیلات تھیں۔ یہ

دستاویز اسلامی شریعت کے نفاذ کے ابتدائی نمونوں میں سے ایک ہے۔ تاریخی روایات کے مطابق، حضرت عمرو بن حزمؓ نے نجران میں عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کی اور اسلامی تعلیمات کو عام کیا۔ ان کا انتقال 51 ہجری میں ہوا۔ ان کی زندگی اسلامی تاریخ میں ایک عظیم مثال ہے کہ کس طرح صحابہ کرامؓ نے دین کی خدمت کی اور معاشرے میں عدل و انصاف قائم کیا۔[7]

عہد نامے کا پس منظر

یہ عہد نامہ اس وقت لکھا گیا جب نبی اکرمؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو یمن کے علاقے نجران کا حاکم مقرر کیا۔ یہ تقریباً 10 ہجری (631-632 عیسوی) کی بات ہے، جب اسلامی ریاست کی حدود وسعت پذیر ہو رہی تھیں۔ نجران کے عیسائی قبائل نے نبی اکرمؐ سے معاہدہ کیا تھا کہ وہ جزیہ ادا کریں گے اور اسلامی حکومت کے ماتحت رہیں گے۔ اس معاہدے کے تحت، نبی اکرمؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نجران بھیجا تاکہ وہ وہاں اسلامی قوانین نافذ کریں، لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، اور زکوٰۃ و جزیہ جمع کریں۔ اس عہد نامے کا مقصد نجران کے لوگوں کو اسلامی احکام سے آگاہ کرنا اور ایک منظم انتظامی ڈھانچہ قائم کرنا تھا۔ اس خط میں زکوٰۃ کے نصاب، دیت کے احکام، حدود و تعزیرات، اور دیگر شرعی ہدایات شامل تھیں، جو اس دور کے معاشرتی حالات کے مطابق تھیں۔ یہ عہد نامہ نہ صرف ایک انتظامی دستاویز تھا بلکہ اسلامی شریعت کے نفاذ کا ایک عملی نمونہ بھی تھا، جو آج بھی فقہِ اسلامی کے مطالعے کے لیے اہم ہے۔[8]

یمن میں تقرری کا پس منظر

یمن اس وقت عرب کے جنوب میں ایک اہم علاقہ تھا، جہاں مختلف قبائل اور مذاہب کے لوگ آباد تھے، جن میں عیسائی، یہودی، اور مشرکین شامل تھے۔ نجران، یمن کا ایک زرخیز علاقہ، عیسائی قبائل کا مرکز تھا۔ 10 ہجری میں، نجران کے ایک وفد نے مدینہ منورہ کا دورہ کیا اور نبی اکرم ﷺ سے معاہدہ کیا کہ وہ اسلامی حکومت کے تحت رہیں گے اور جزیہ ادا کریں گے۔ اس معاہدے کے بعد، نبی اکرمؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نجران کا حاکم مقرر کیا، کیونکہ وہ دینی علم، قائدانہ صلاحیت، اور انتظامی مہارت رکھتے تھے۔ ان کا بنیادی کام نجران میں اسلامی قوانین کا نفاذ، زکوٰۃ اور جزیہ کی وصولی، اور لوگوں کو قرآن و سنت کی تعلیم دینا تھا۔ اس تقرری کا مقصد نہ صرف انتظامی استحکام تھا بلکہ نجران کے لوگوں کو اسلام سے قریب کرنا اور ان کے درمیان عدل و انصاف قائم کرنا بھی تھا۔ یہ عہد نامہ اسی تقرری کے تناظر میں دیا گیا، جو اسلامی شریعت کے عملی اطلاق کی ایک روشن مثال ہے۔[9]

مآخذ اور روایات

اس عہد نامے کی تفصیلات متعدد تاریخی اور حدیث کی کتب میں ملتی ہیں۔ سب سے اہم مآخذ احمد بن حسین البیہقی کی السنن الکبریٰ ہے، جہاں یہ مکتوب مکمل طور پر نقل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ، عبد الرزاق الصنعانی کی مصنف عبد الرزاق میں بھی اس کی تفصیلات

موجود ہیں۔ ابو محمد عبد الملک ابن ہشام کی سیرت رسولؐ میں نجران کے وفد اور حضرت عمرو بن حزمؓ کی تقرری کا ذکر ہے۔ محمد بن عمر الواقدی کی کتاب المغازی اور محمد بن جریر الطبری کی تاریخ الطبری میں بھی اس عہد نامے کے تاریخی پس منظر کی تفصیلات ملتی ہیں۔ ان مآخذ سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ مکتوب نہ صرف ایک شرعی دستاویز تھا بلکہ اس دور کے سیاسی و سماجی حالات کی عکاسی بھی کرتا ہے۔ فقہائے کرام، جیسے کہ محمد بن احمد السرخسی اور محمد بن ادریس الشافعی نے اس عہد نامے سے زکوٰۃ، دیت، اور حدود کے احکام اخذ کیے۔ یہ روایات اس بات کی بھی تصدیق کرتی ہیں کہ نبی اکرمؐ نے انتظامی امور میں شفافیت اور عدل کو یقینی بنایا۔[10]

عہد نامے کا ایک مرتب عربی متن

اس عہد نامے کا مکمل متن متعدد تاریخی کتب میں محفوظ ہے، جن میں سے السنن الکبریٰ (البیہقی) اور مصنف عبد الرزاق (الصنعانی) اہم ہیں۔ ذیل میں اس کا ایک مرتب عربی متن پیش کیا جاتا ہے، جو ان مآخذ سے ماخوذ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

هٰذا ما عَهِدَ مُحَمَّدٌ رسولُ اللہ ﷺ إلى عَمرو بن حَزم حينَ بَعَثَه إلى اليمَن، وأَمَرَه بتقوى اللہ في أَمرِه كلِّه، فقال:

1. ادعُهُم إلى الإيمان باللہ وحده، وإلى طاعةِ رسولِه، والإيقانِ بما جاءَ مِن عندِ اللہ؛
2. وأَنَّ على الناسِ فرائضَ في أَموالِهم، يُؤخَذُ من أَغنيائِهم فيُرَدُّ في فُقَرائِهم؛
3. وأَمَرَهُ أَن يعلِّمَ الناسَ القرآنَ والفقه، ويُفقِّهَهم في الدينِ، ويُنبِّهَهم على ما يحتاجونَ إليه؛
4. وأَن يخبرَهم بالمواقيتِ والصلاةِ في وقتِها بتمامِ ركوعِها وسجودِها وخشوعِها؛
5. وأَن يأمرَهم بالصدقةِ في أَموالِهم ويبين لهم ما فرضَ اللہ عليهم من الزكوٰة: في الإبل: في كل خمس شاة، فإذا بلغت خمسة وعشرين فبنت مخاض إلى خمس وثلاثين، فإذا زادت فبنت لبون إلى خمس وأربعين، ثم حقة إلى ستين، ثم جذعة إلى خمس وسبعين، ثم بنتا لبون إلى تسعين، ثم حقتان إلى عشرين ومائة، وفي البقر: في ثلاثين تبيع وفي أربعين مسنة، وفي الغنم: في أربعين شاة إلى عشرين ومائة شاتان ثم ثلاث إلى ثلاثمائة ثم في كل مائة شاة، وفي الذهب والورِق: في كل عشرين دينارا نصف دينار وفي كل مائتي درهم خمسة دراهم؛
6. وأَنَّ في خُمسِ الرِّكاز الزكوٰة؛
7. وأَنَّ مَن اعتَصَمَ بالإسلامِ وشَهِدَ أَن لا إله إلا اللہ وأَن محمدًا رسولُ اللہ، وأَقامَ الصلاةَ وآتى الزكوٰة، فإنهم من المؤمنين لهم مالهم وعليهم ما عليهم؛
8. وأَنَّ في الدِّيةِ للنفس مئةً من الإبل، وفي العين الواحدة خمسون، وفي اليد الواحدة خمسون، وفي الرجل الواحدة خمسون، وفي كل إصبع عشر من الإبل، وفي السن خمس من الإبل، وفي الموضحة خمس من الإبل،

وعلى أهلِ الذّهبِ ألفَ دينارٍ، وعلى أهلِ الورقِ اثني عشرَ ألفَ درهمٍ، وعلى أهلِ البقرِ مئتي بقرة، وعلى أهلِ الشاء ألفي شاة؛

9. وأن لا يفرَّقَ بينَ الوالدةِ وولدِها، ولا بينَ الأخِ وأخيه، خوفَ الفتنة، وأن يدعوا الناسَ إلى الخير؛

10. وأن تؤخرَ الفطر وتعجلَ الأضحى؛

11. ومن سألَك من المسلمينَ أن تجعله معك أو ترسِلَه في بعضِ أمرك فافعل، فإنهم ناصحون لك ولنفسِهم؛

12. واكتب لهم هذا الكتابَ واشهِدِ الله عليك وكفى بالله شهيدًا.

یہ متن اس عہد نامے کا خلاصہ ہے، جس میں زکوۃ کے نصاب، دیت کے احکام، حدود کا نفاذ، اور عدل و انصاف کی ہدایات شامل ہیں۔ اس کی صداقت تاریخی روایات سے ثابت ہے اور یہ اسلامی قانون کے ابتدائی نفاذ کی ایک اہم مثال ہے۔[11]

اردو ترجمہ و خلاصہ

اللہ کے نام سے شروع جو بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے۔

یہ وہ تحریری عہد ہے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس وقت حضرت عمرو بن حزمؓ کو دیا جب انہیں یمن بھیجا گیا۔ آپؐ نے انہیں ہر معاملے میں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا اور فرمایا:

1. لوگوں کو اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان، رسول کی اطاعت، اور اللہ کی طرف سے نازل شدہ چیزوں کی تصدیق کی دعوت دو۔
2. اور یہ کہ لوگوں کے اموال میں فرائض (مالی ذمہ داریاں) ہیں، جو ان کے مالداروں سے لے کر انہی کے غریبوں پر خرچ کیے جائیں۔
3. انہیں حکم دیا کہ وہ لوگوں کو قرآن کریم اور فقہ سکھائیں، انہیں دین کی سمجھ دیں، اور انہیں ان چیزوں سے آگاہ کریں جن کی انہیں ضرورت ہے
4. انہیں نماز کے اوقات سے آگاہ کرو اور وقت پر نماز ادا کرنے کا حکم دو، مکمل رکوع، سجود، اور خشوع کے ساتھ۔
5. لوگوں کو اپنے اموال میں صدقہ (زکوٰۃ) دینے کا حکم دو اور انہیں اللہ کی طرف سے مقرر کردہ زکوٰۃ کی وضاحت کرو:

اونٹوں میں: ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری، جب تعداد 25 ہو جائے تو 35 تک ایک بنتِ مخاض (ایک سال کی اونٹنی)، اگر تعداد بڑھ جائے تو 45 تک بنتِ لبون (دو سال کی اونٹنی)، پھر 60 تک حقہ (تین سال کی اونٹنی)، پھر 75 تک جذعہ (چار سال کی اونٹنی)، پھر 90 تک دو بنتِ لبون، پھر 120 تک دو حقہ۔

گایوں میں: 30 پر ایک تبیع (ایک سال کا بچھڑا)، اور 40 پر ایک مسنہ (دو سال کی گائے)۔

بکریوں میں: 40 پر ایک بکری، 120 تک دو بکریاں، پھر 200 تک تین بکریاں، پھر 300 تک، اور اس کے بعد ہر 100 پر ایک بکری۔

سونے اور چاندی میں: ہر 20 دینار پر آدھا دینار، اور ہر 200 درہم پر 5 درہم۔

6. اور یہ کہ دفینے (رِکاز) میں پانچواں حصہ (خمس) زکوٰۃ کے طور پر واجب ہے۔
7. اور جو شخص اسلام کی رسی تھام لے، گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرے، اور زکوٰۃ ادا کرے، تو وہ مومنوں میں سے ہے، ان کے حقوق اور فرائض دیگر مسلمانوں کے برابر ہیں۔
8. اور دیت (خون بہا) میں ایک جان کے لیے 100 اونٹ ہیں، ایک آنکھ کے لیے 50 اونٹ، ایک ہاتھ کے لیے 50 اونٹ، ایک پاؤں کے لیے 50 اونٹ، ہر انگلی کے لیے 10 اونٹ، ہر دانت کے لیے 5 اونٹ، اور موضحہ (ہڈی ظاہر کرنے والے زخم) کے لیے 5 اونٹ، سونے والوں پر 1000 دینار، چاندی والوں پر 12,000 درہم، گایوں والوں پر 200 گائیں، اور بکریوں والوں پر 2000 بکریاں۔
9. اور ماں اور اس کے بچے کے درمیان، یا بھائیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالی جائے، تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو، اور لوگوں کو بھلائی کی طرف بلایا جائے۔
10. اور افطار میں تاخیر کرو اور عید الاضحی جلدی کرو۔
11. اور اگر کوئی مسلمان تم سے درخواست کرے کہ اسے اپنے ساتھ رکھو یا کسی کام پر بھیجو، تو ایسا کرو، کیونکہ وہ تمہارے اور اپنے لیے خیر خواہ ہیں۔
12. اور ان کے لیے یہ تحریر لکھ دو، اور اللہ کو گواہ بناؤ، اور اللہ کی گواہی کافی ہے۔

یہ ترجمہ عہد نامے کے بنیادی نکات کو واضح کرتا ہے، جن میں زکوٰۃ، دیت، حدود، اور عدل کے احکام شامل ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ مکتوب ایک شرعی، انتظامی، اور تربیتی رہنما ہے، جو اسلامی شریعت کے نفاذ کی ایک روشن مثال ہے۔[12]

اس دستاویز سے نکلنے والے اہم فقہی احکامات

اس عہد نامے سے فقہاء نے شرعی احکامات اخذ کیے، جن میں زکوٰۃ، دیت، حدود، اور خاندانی حقوق جیسے مسائل شامل ہیں۔ ان کی تفصیل ذیل میں بیان کی جاتی ہے:

1. ایمان اور اطاعتِ رسولؐ کی مرکزیت

اس دستاویز میں سب سے پہلے تقویٰ اور اللہ پر ایمان کی تلقین کی گئی ہے، جو ہر شرعی حکم کی بنیاد ہے۔ اس میں واضح کیا گیا کہ نبی اکرمؐ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو ہر معاملے میں تقویٰ اختیار کرنے اور اللہ کے احکام کی پاسداری کرنے کی ہدایت کی۔ یہ اصول اسلامی شریعت کا نقطہ آغاز ہے، کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عمل قابلِ قبول نہیں۔ فقہاء نے اس سے یہ اخذ کیا کہ ہر شرعی ذمہ داری کی بنیاد ایمان باللہ اور رسالت ہے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک، یہ ایمان ہی ہے جو انسان کو اللہ کے احکام ماننے پر آمادہ کرتا ہے، جبکہ شافعیہ نے اسے اسلامی ریاست کے استحکام کی دلیل قرار دیا۔ اسی طرح، مالکیہ اور حنبلیہ نے اسے شرعی احکام کی تعمیل کے لیے

بنیادی شرط قرار دیا۔ یہ اصول نہ صرف انفرادی زندگی بلکہ معاشرتی وریاستی ڈھانچے کے لیے بھی اہم ہے، کیونکہ ایمان کے بغیر عدل وانصاف کا قیام ممکن نہیں۔[13]

2. زکوٰۃ کی فرضیت اور اس کا مصرف

3. نصابِ زکوٰۃ اور اس کی تفصیل

اس دستاویز میں زکوٰۃ کے نصاب کی تفصیلات دی گئی ہیں، جیسے کہ ہر چالیس اونٹوں میں سے ایک اونٹ، ہر تیس گایوں میں سے ایک گائے، اور ہر دو سو درہم میں سے پانچ درہم۔ یہ احکام اس وقت کے معاشرے کے معاشی حالات کے مطابق تھے، جہاں مال مویشی اور نقدی کی شکل میں ہوتا تھا۔ فقہاء نے اس سے زکوٰۃ کے تفصیلی احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک، زکوٰۃ ہر اس مال پر فرض ہے جو نصاب کو پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے۔ شافعیہ نے زکوٰۃ کے مصارف کو قرآن (سورہ توبہ:60) کی روشنی میں تقسیم کیا، جیسے فقراء، مساکین، اور دین کی تبلیغ کے لیے۔ مالکیہ نے زکوٰۃ کی وصولی کو اسلامی ریاست کی ذمہ داری قرار دیا، جبکہ حنبلیہ نے اسے انفرادی واجتماعی فریضہ کہا۔ اس کے علاوہ، فقہاء نے اس سے یہ اصول بھی اخذ کیا کہ زکوٰۃ معاشی مساوات اور سماجی فلاح کے لیے ہے۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے زکوٰۃ کے نظاموں میں نظر آتا ہے، جیسے کہ سعودی عرب میں زکوٰۃ کی وصولی کے ادارے۔[14]

4. رِکاز (زمین سے مدفون خزانے) کا حکم

اس دستاویز میں رِکاز یعنی زمین سے ملنے والے دفینے یا معدنیات پر زکوٰۃ کا ذکر ہے، جو اس وقت کے معاشرے میں عام تھا۔ اس میں کہا گیا کہ رِکاز پر پانچواں حصہ (خمس) واجب ہے۔ فقہاء نے اس سے متعدد احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک، رِکاز سے مراد وہ مال ہے جو زمین میں چھپا ہو، خواہ وہ سونا، چاندی، یا دیگر قیمتی اشیاء ہوں، اور اس پر خمس فرض ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: "والرِّکَازُ الخُمُسُ"۔ شافعیہ نے اسے معدنیات تک وسعت دی اور کہا کہ جو بھی زمین سے نکلے، اس پر خمس واجب ہے۔ مالکیہ نے اسے اسلامی ریاست کے خزانے کے لیے اہم قرار دیا، جبکہ حنبلیہ نے اسے زکوٰۃ کی ایک قسم کہا۔ اس اصول سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے قدرتی وسائل کو معاشرتی فلاح کے لیے استعمال کرنے کی ہدایت کی۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے معدنی وسائل کے انتظام میں دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کہ خلیجی ممالک میں تیل کی آمدنی کا شرعی استعمال۔[15]

5. دیت (خون بہا) کے احکام

اس دستاویز میں قتل کی دیت کا ذکر ہے، جو سو اونٹ مقرر کی گئی تھی۔ یہ اس وقت کے معاشرے کے مطابق تھی، جہاں اونٹ معاشی قدر کے لحاظ سے اہم تھے۔ فقہاء نے اس سے دیت کے تفصیلی احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک، دیت قتلِ خطا اور قتلِ عمد (اگر قصاص نہ لیا جائے) میں واجب ہے، اور اس کی مقدار سونا، چاندی، یا دیگر مال کی شکل میں ہو سکتی ہے۔ شافعیہ نے اسے معاشرتی حالات کے مطابق تبدیل کرنے کی گنجائش دی، جیسے کہ نقدی یا اموال۔ مالکیہ نے دیت کو قصاص کا متبادل قرار دیا اور کہا کہ اگر مقتول کا خاندان معافی دے تو دیت واجب ہوتی ہے۔ حنبلیہ نے اسے اسلامی عدل کا حصہ کہا اور کہا کہ دیت کا مقصد

معاشرے میں صلح اور انصاف کو یقینی بنانا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے خون بہا کے بدلے معافی اور دیت کو ترجیح دی تاکہ معاشرتی ہم آہنگی برقرار رہے۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے قانونی نظاموں میں دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کہ پاکستان اور سعودی عرب میں دیت کے احکام۔[16]

6. صلۂ رحمی کی اہمیت

اس دستاویز میں خاندانی رشتوں کی حفاظت اور صلۂ رحمی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، جو اسلامی معاشرے کی بنیادی اکائی ہے۔ اس میں نکاح، طلاق، اور وراثت کے احکام شامل ہیں، جو خاندانی نظام کے تحفظ کے لیے ہیں۔ فقہاء نے اس سے خاندانی حقوق کے تفصیلی احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک، صلۂ رحمی کا مطلب رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کے حقوق کی ادائیگی ہے، جیسے کہ وراثت میں حصہ دینا۔ شافعیہ نے اسے خاندانی استحکام سے جوڑا اور کہا کہ نکاح اور وراثت کے احکام خاندان کو معاشی و اخلاقی تحفظ دیتے ہیں۔ مالکیہ نے اسے معاشرتی ہم آہنگی کا ذریعہ قرار دیا، جبکہ حنبلیہ نے اسے دینی فریضہ کہا، جس کی پابندی واجب ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے خاندان کو معاشرے کی بنیاد سمجھا اور اس کے تحفظ کے لیے واضح احکام دیے۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے خاندانی قوانین میں دیکھا جا سکتا ہے، جیسے کہ مصر اور پاکستان میں وراثت کے شرعی احکام۔[17]

7. اسلامی سزائیں (حدود و تعزیرات)

اس دستاویز میں جرائم کی سزاؤں کے احکام کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، جو اسلامی شریعت کے نظامِ عدل کا اہم حصہ ہیں[18]۔ ان میں شامل ہے: چوری کی صورت میں ہاتھ کاٹنا[19]، قتلِ عمد پر قصاص (برابر بدلہ) یا دیت (خون بہا) کا اختیار[20]، اور زنا کی سزا کے طور پر شادی شدہ شخص کے لیے سنگساری جبکہ غیر شادی شدہ کے لیے 100 کوڑوں کی سزا[21]۔ ان سزاؤں کا ذکر دستاویز کے علاوہ قرآن اور احادیث سے بھی ثابت ہے۔ یہ حدود اور تعزیرات معاشرتی انصاف کو یقینی بنانے، جرائم کی روک تھام کرنے، اور اخلاقی اقدار کے تحفظ کے لیے وضع کی گئی ہیں[22]۔ ان کا مقصد صرف سزا دینا نہیں بلکہ معاشرے کو فتنہ و فساد سے پاک رکھنا اور لوگوں میں اللہ کا خوف پیدا کرنا ہے، تاکہ وہ گناہ سے دور رہیں[23]۔

فقہاء نے ان حدود کو اسلامی قانون کا لازمی حصہ قرار دیا اور ان کے نفاذ کے لیے تفصیلی احکام و شرائط بیان کیں۔ حنفی فقہاء کے نزدیک چوری کی سزا (ہاتھ کاٹنا) کے لیے کم از کم نصاب (مثلاً چوتھائی دینار یا 10 درہم مالیت) اور مال کو محفوظ جگہ سے چرانا شرط ہے، اور اگر کوئی شک ہو تو حد ساقط ہو جاتی ہے[24]۔ شافعیہ نے اسے زیادہ سخت بنایا اور کہا کہ چور کا ارادہ اور عمل دونوں ثابت ہونے چاہئیں، لیکن وہ بھی گواہوں کی سخت شرائط پر زور دیتے ہیں[25]۔ قتلِ عمد پر قصاص کے بارے میں حنفیہ اور مالکیہ کہتے ہیں کہ مقتول کے ورثاء قصاص، دیت، یا معافی میں سے کسی ایک کا انتخاب کر سکتے ہیں[26]، جبکہ شافعیہ اور حنبلیہ قصاص کو ترجیح دیتے ہیں، لیکن دیت کو متبادل کے طور پر قبول کرتے ہیں[27]۔ زنا کی سزا کے لیے تمام فقہاء متفق ہیں کہ شادی شدہ کے لیے سنگساری اور غیر شادی

شدہ کے لیے 100 کوڑے ہیں، لیکن اس کے نفاذ کے لیے چار گواہوں یا خود اعتراف کی شرط رکھی گئی، جو اسے نہایت نادر بناتی ہے[28]۔ مثلاً، حنفیہ کے نزدیک گواہوں کی شہادت مکمل طور پر متفق اور بلاشبہ ہونی چاہیے، ورنہ حد نافذ نہیں ہوتی[29]۔ تعزیرات کے تحت، جو جرائم حدود میں نہیں آتے (مثلاً جھوٹی گواہی یا بدتمیزی)، ان کے لیے فقہاء نے جج کو سزا کے تعین کا اختیار دیا، جو حالات کے مطابق کوڑوں، جرمانے، یا قید تک ہو سکتی ہے[30]۔

یہ نظام معاشرتی اصلاح اور جرائم کی روک تھام کے لیے انتہائی مؤثر ہے۔ حدود کی سختی سے لوگوں میں خوف پیدا ہوتا ہے، جبکہ ان کی شرائط کی سختی انصاف کو یقینی بناتی ہے[31]۔ مثال کے طور پر، چوری کی سزا اس وقت کے معاشرے میں مال کی حفاظت کو تقویت دیتی تھی، جبکہ قصاص قتل کے واقعات کو کم کرتا تھا[32]۔ فقہاء نے اسے جدید دور میں بھی قابلِ عمل قرار دیا، لیکن اس کے نفاذ کے لیے اسلامی ریاست کا قیام اور عدالتی نظام کی شرعی پابندی لازم سمجھی[33]۔ سعودی عرب جیسے ممالک میں حدود نافذ ہیں، جہاں چوری پر ہاتھ کاٹنے اور قتل پر قصاص کے واقعات موجود ہیں، لیکن مغربی تناظر میں اسے انسانی حقوق کے مغائر سمجھا جاتا ہے۔ فقہاء جواباً کہتے ہیں کہ یہ سزائیں نہ صرف جرائم کو روکتی ہیں بلکہ متاثرین کے حقوق کا تحفظ بھی کرتی ہیں، اور ان کی شرائط اسے ظلم سے بچاتی ہیں[34]۔ اس کے علاوہ، تعزیرات کی لچک اس نظام کو ہر دور کے لیے موزوں بناتی ہے، جہاں جرم کی نوعیت کے مطابق سزا دی جا سکتی ہے۔ یہ احکام معاشرے میں امن، انصاف، اور اخلاقی نظم قائم کرنے کا ذریعہ ہیں، جو اسلامی قانون کی عالمگیریت کو ظاہر کرتے ہیں۔

8. صلۂ رحمی اور خاندانی وحدت کے احکام

اس دستاویز میں ماں اور اس کے بچے یا بھائیوں کے درمیان جدائی نہ ڈالنے کا واضح حکم دیا گیا ہے، تاکہ فتنہ و فساد سے بچا جا سکے[35]۔ یہ ہدایت خاندانی نظام کے تحفظ اور رشتوں کی مضبوطی کو یقینی بنانے کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے[36]۔ اس کا مطلب ہے کہ خاندان کے افراد کو ایک دوسرے سے جدا کرنا، خواہ وہ غلاموں کی فروخت کے ذریعے ہو یا دیگر حالات میں، شریعت کے منشا کے خلاف ہے[37]۔ یہ حکم اس وقت کے معاشرے کے تناظر میں بھی اہم تھا، جہاں غلامی عام تھی اور خاندانوں کو اکثر الگ کر دیا جاتا تھا[38]۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خاندانی وحدت کو نہ صرف انفرادی بلکہ معاشرتی استحکام کے لیے ضروری قرار دیا، کیونکہ خاندان معاشرے کی بنیادی اکائی ہے[39]۔ اس اصول سے نہ صرف خاندانی رشتوں کی حرمت واضح ہوتی ہے بلکہ معاشرے میں امن اور ہم آہنگی کو فروغ دینے کا مقصد بھی سامنے آتا ہے، جو فتنہ و فساد کے خاتمے کا ذریعہ ہے[40]۔

فقہاء نے اس سے صلہ رحمی اور خاندانی نظام کے احترام کے متعدد شرعی احکام اخذ کیے ہیں، جو معاشرتی ہم آہنگی کے ضامن ہیں۔ حنفی فقہاء کے نزدیک یہ حکم خاندانی رشتوں کے تحفظ کو واجب قرار دیتا ہے، اور اسے قرآن اور احادیث سے تقویت ملتی ہے، جیسے "مَنْ قَطَعَ رَحِمَهُ قَطَعَهُ اللہ"[41]۔ انہوں نے کہا کہ ماں اور بچے کو الگ کرنا، جیسے غلام کی تجارت میں، حرام ہے، اور اس سے صلہ رحمی کے فرض کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے[42]۔ شافعیہ نے اسے خاندانی وحدت کے تحفظ کے لیے ایک عملی اصول قرار دیا اور کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے رشتہ داروں سے تعلق توڑے تو وہ گناہ گار ہے، اور اس کی سزا آخرت میں رحمت سے محرومی ہو گی[43]۔ مالکیہ نے اسے معاشرتی نظم کے لیے ضروری سمجھا اور اسے غلاموں کے حقوق سے جوڑا، کہ ان کے خاندانوں کو جدا نہ کیا جائے، جو اس وقت کے

معاشرے میں ایک بڑا مسئلہ تھا[44]۔ حنبلیہ نے اسے وسیع تر معنوں میں لیا اور کہا کہ یہ حکم نہ صرف خاندان کے افراد بلکہ قریبی رشتہ داروں کے درمیان تعلق کو بھی مضبوط کرتا ہے، اور اس کی خلاف ورزی معاشرتی فساد کا باعث بنتی ہے[45]۔

مزید برآں، فقہاء نے اس اصول سے عملی احکام بھی اخذ کیے۔ مثال کے طور پر، حنفیہ اور مالکیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص اپنے والدین یا بہن بھائیوں سے ناطہ توڑے تو اسے شرعی طور پر صلہ رحمی کی تلقین کی جاتی ہے، اور اس کے لیے دعویٰ عدالت میں بھی پیش کیا جاسکتا ہے[46]۔ شافعیہ نے اسے وراثت اور نکاح کے احکام سے جوڑا، کہ خاندانی رشتوں کی حفاظت ان شرعی فرائض کی تکمیل کے لیے ضروری ہے[47]۔ اس کے علاوہ، اس حکم سے یہ بھی نکلتا ہے کہ خاندانی تنازعات کو صلح کے ذریعے حل کیا جائے تاکہ جدائی سے بچا جاسکے[48]۔ آج کے دور میں، اسے جدید خاندانی قوانین میں دیکھا جاسکتا ہے، جیسے بچوں کی تحویل کے مقدمات میں ماں اور بچے کے تعلق کو ترجیح دی جاتی ہے[49]۔ فقہاء نے اسے معاشرتی فلاح سے بھی جوڑا، کہ صلہ رحمی سے معاشرے میں محبت، تعاون، اور اتحاد بڑھتا ہے، جبکہ اس کی خلاف ورزی نفرت اور انتشار کا باعث بنتی ہے۔ یہ احکام نہ صرف خاندان کو مضبوط کرتے ہیں بلکہ ایک ایسی معاشرتی ساخت کی بنیاد رکھتے ہیں جو اخلاقی اور دینی اقدار پر قائم ہو، اور اس کی اہمیت ہر دور میں برقرار ہے۔

9. مسلمانوں کے مابین حقوق و فرائض کی برابری

اس دستاویز میں مساوات کا بنیادی اصول بیان کیا گیا ہے کہ ہر وہ شخص جو اسلام قبول کرلے، اس کے حقوق و فرائض دیگر مسلمانوں کے برابر ہیں[50]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو جائے، اس کی جان، مال، اور عزت کا تحفظ وہی ہے جو دوسرے مسلمانوں کا ہے، اور اس پر وہی ذمہ داریاں بھی عائد ہوتی ہیں جو دیگر پر ہیں[51]۔ یہ اصول اس وقت کے عرب معاشرے کے لیے انقلابی تھا، جہاں قبائلی تعصبات اور طبقاتی تفریق غالب تھی[52]۔ دستاویز اس بات پر زور دیتی ہے کہ ایمان کی بنیاد پر سب مسلمان برابر ہیں، خواہ وہ عرب ہوں، عجمی ہوں، آزاد ہوں، یا غلام سے آزاد شدہ[53]۔ یہ مساوات نہ صرف انفرادی حقوق کی ضمانت دیتی ہے بلکہ معاشرے میں اتحاد اور یکجہتی کو فروغ دیتی ہے، جو اسلامی شریعت کے بنیادی مقاصد میں سے ہے[54]۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے نسلی، قبائلی، یا معاشی تفریق کو ختم کر کے ایک عالمگیر برادری قائم کرنے کا حکم دیا، جو عدل و انصاف کی بنیاد ہے[55]۔

فقہاء نے اس اصول سے اسلامی معاشرے میں عدل و انصاف کے نظام کی تفصیلی بنیاد رکھی، جو نسل، قبیلہ، یا طبقہ سے بالاتر ہے۔ حنفی فقہاء نے اسے حقوقِ انسانی کے تحفظ کی دلیل قرار دیا اور کہا کہ ہر مسلمان کو جان، مال، اور عزت کا حق حاصل ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: "تمہارا خون، تمہارا مال، اور تمہاری عزت تم پر اسی طرح حرام ہے جیسے یہ دن حرام ہے"[56]۔ انہوں نے اس سے یہ بھی اخذ کیا کہ عدالتوں میں سب کے ساتھ یکساں سلوک ہوگا، خواہ وہ حاکم ہو یا عام آدمی[57]۔ شافعیہ نے اسے معاشرتی مساوات کے عملی نفاذ سے جوڑا اور کہا کہ اگر کوئی شخص اپنے ایمان کی بنا پر دوسرے کے حقوق کی پامالی کرے تو وہ شرعاً قابلِ مواخذہ ہے[58]۔ مالکیہ نے اسے غلاموں اور آزاد افراد کے درمیان مساوات کی دلیل بنایا، کہ اسلام قبول کرنے کے بعد غلام بھی وہی حقوق رکھتا ہے جو آزاد شخص، اگرچہ کچھ عملی فرائض میں فرق ہو سکتا ہے[59]۔ حنبلیہ نے اسے اسلامی ریاست کے بنیادی ڈھانچے سے جوڑا اور کہا کہ حاکم اور رعایا دونوں کے فرائض برابر ہیں، اور کوئی بھی قانون سے بالا نہیں[60]۔

مزید برآں، فقہاء نے اس اصول سے کئی عملی احکام اخذ کیے۔ مثال کے طور پر، حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص دوسرے مسلمان کے مال یا جان پر حملہ کرے تو اسے قصاص یا تعزیر کا سامنا کرنا پڑے گا، خواہ اس کا تعلق کسی اعلیٰ قبیلے سے ہو[61]۔ اسی طرح، زکوٰۃ اور دیگر فرائض کی ادائیگی میں سب برابر ہیں، اور کوئی بھی اپنی حیثیت کی بنا پر استثنا نہیں مانگ سکتا[62]۔ مالکیہ نے اسے وراثت کے احکام سے جوڑا، کہ میراث میں سب حصہ دار برابر کے حق دار ہیں، چاہے ان کا سماجی مرتبہ کچھ بھی ہو[63]۔ اس اصول نے اسلامی معاشرے میں عدل کے قیام کو یقینی بنایا، جیسے کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں دیکھا گیا، جہاں حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے اور ایک عام آدمی کے درمیان یکساں فیصلہ کیا[64]۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے قانونی نظاموں میں نظر آتا ہے، جیسے کہ سعودی عرب میں سب کے لیے یکساں سزا اور حقوق کا نفاذ[65]۔ فقہاء نے اسے انسانی مساوات کے عالمگیر تصور سے بھی جوڑا، کہ اسلام نے نسل پرستی اور طبقاتی نظام کو رد کر کے ایک ایسی برادری قائم کی جو ایمان کی بنیاد پر متحد ہے۔ یہ نظام معاشرتی انصاف، اتحاد، اور باہمی احترام کو فروغ دیتا ہے، جو ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہے۔

10. نکاح، طلاق اور وراثت کے اصول

اس دستاویز میں نکاح، طلاق، اور وراثت کے بنیادی احکام کا ذکر ہے، جو خاندانی نظام کے استحکام اور معاشی انصاف کے قیام کے لیے اہم ہیں[66]۔ اس میں شوہر اور بیوی کے باہمی حقوق و فرائض کی وضاحت کی گئی ہے، جیسے کہ شوہر پر بیوی کے نان و نفقہ اور اچھے سلوک کی ذمہ داری، اور بیوی پر شوہر کے حقوق کی پاسداری[67]۔ طلاق کے بارے میں ہدایت ہے کہ یہ آخری راستہ ہو، اور اسے شرعی حدود میں رہتے ہوئے اختیار کیا جائے[68]۔ وراثت کے سلسلے میں بیٹوں اور بیٹیوں کی حصہ داری کا ذکر ہے، جیسے کہ بیٹوں کو بیٹیوں سے دگنا حصہ، اور وراثت سے محروم کرنے کی ممانعت، جو اس وقت کے معاشرے میں رائج بدعات کے خلاف تھی[69]۔ یہ احکام خاندانی رشتوں کو مضبوط کرنے، معاشی مساوات کو فروغ دینے، اور افراد کے حقوق کے تحفظ کے لیے وضع کیے گئے ہیں[70]۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام نے خاندان کو معاشرے کی بنیادی اکائی سمجھا اور اسے معاشی و اخلاقی تحفظ فراہم کیا، تاکہ معاشرتی ہم آہنگی برقرار رہے[71]۔

فقہاء نے ان اصولوں کو تفصیل سے بیان کیا اور ان سے متعدد شرعی احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک نکاح ایک معاہدہ ہے، جس میں مہر کی ادائیگی شوہر پر فرض ہے، اور بیوی کو گھر اور نان و نفقہ کا حق حاصل ہے، جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے[72]۔ طلاق کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ اسے تین مراحل میں دیا جائے، اور عدت کے دوران بیوی کے اخراجات شوہر پر لازم ہیں[73]۔ شافعیہ نے نکاح کو اللہ کی عبادت سے جوڑا اور کہا کہ اس کا مقصد خاندانی استحکام اور نسل کا تحفظ ہے، جبکہ طلاق کو شرعی گواہوں کے سامنے ضروری قرار دیا[74]۔ وراثت میں حنفیہ اور مالکیہ نے قرآن کی روشنی میں بیٹوں کو بیٹیوں سے دگنا حصہ دیا، لیکن اس بات پر زور دیا کہ کوئی بھی ورثاء کو محروم نہیں کر سکتا، خواہ وہ والدین ہوں یا بچے[75]۔ حنبلیہ نے وراثت سے محرومی کی ممانعت کو سختی سے نافذ کیا اور کہا کہ اگر کوئی وصیت کے ذریعے ورثاء کے حصے کم کرے تو وہ شرعاً ناقابلِ عمل ہے[76]۔ شافعیہ نے نکاح میں ولی کی موجودگی کو لازمی قرار دیا، جبکہ طلاق میں صلح کی کوشش کو ترجیح دی[77]۔

مزید بر آں، فقہاء نے ان اصولوں سے عملی فروع بھی اخذ کیے۔ مثال کے طور پر، حنفیہ کے نزدیک اگر شوہر نان و نفقہ ادا نہ کرے تو بیوی عدالت سے خلع مانگ سکتی ہے[78]، جبکہ مالکیہ نے طلاق کو آسان بنایا تاکہ ظلم سے بچا جا سکے[79]۔ وراثت میں، اگر کوئی شخص اپنی بیٹی کو حصہ نہ دے تو یہ شرعاً قابلِ چیلنج ہے، اور عدالت اسے نافذ کر سکتی ہے[80]۔ اس کے علاوہ، یہ احکام معاشی انصاف کو یقینی بناتے ہیں، کیونکہ وراثت کے ذریعے دولت خاندان میں منصفانہ طور پر تقسیم ہوتی ہے[81]۔ آج کے دور میں، اسلامی ممالک جیسے پاکستان اور مصر میں ان اصولوں پر عمل ہوتا ہے، جہاں نکاح کے معاہدے، طلاق کی شرائط، اور وراثت کے تنازعات شرعی قوانین کے تحت حل کیے جاتے ہیں[82]۔ فقہاء نے اسے خاندانی استحکام سے بھی جوڑا، کہ نکاح خاندان کی بنیاد ہے، طلاق اس کی حفاظت کے لیے محدود ہے، اور وراثت اس کے معاشی تحفظ کی ضمانت دیتی ہے[83]۔ یہ نظام نہ صرف افراد کے حقوق کو محفوظ کرتا ہے بلکہ معاشرے میں اخلاقی و معاشی توازن کو بھی برقرار رکھتا ہے، جو ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہے۔

عہدہ اور مناصب پر تقرری کا اصول . 11

اس دستاویز میں اہل مسلمانوں کو ذمہ داریاں سونپنے کا حکم دیا گیا ہے، جو سنتِ نبویؐ کا اہم حصہ ہے[84]۔ اس میں واضح کیا گیا کہ اگر کوئی مسلمان دینی یا انتظامی کام میں تعاون کا خواہش مند ہو تو اسے شامل کر لیا جائے، بشرطیکہ وہ اہلیت رکھتا ہو اور بدعنوانی کا خدشہ نہ ہو[85]۔ یہ اصول اس وقت کے معاشرے کے تناظر میں اہم تھا، جہاں نبی اکرمؐ نے مختلف صحابہؓ کو ان کی صلاحیتوں کے مطابق عہدوں پر مامور کیا، جیسے حضرت عمرو بن حزمؓ کو نجران کا حاکم بنایا[86]۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی نظامِ حکمرانی میں تعاون اور شمولیت کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور اہل افراد کو ذمہ داریاں دینا معاشرتی و دینی ترقی کا ذریعہ ہے[87]۔ اس کا مقصد نہ صرف انتظامی امور کو بہتر بنانا ہے بلکہ امت کے اندر صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر ایک منظم اور منصفانہ نظام قائم کرنا بھی ہے[88]۔ اس اصول سے اسلامی ریاست کے بنیادی ڈھانچے کی مضبوطی اور افراد کے باہمی تعاون کی اہمیت سامنے آتی ہے۔

فقہاء نے اس سے انتظامی عہدوں پر تقرری کے تفصیلی احکام اخذ کیے اور اسے اہلیت اور دیانت داری کی بنیاد پر لازم قرار دیا۔ حنفی فقہاء کے نزدیک عہدوں کی تقرری کے لیے تین شرائط ہیں: علم، امانت، اور اہلیت۔ انہوں نے اسے حدیث "مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا وَفِي النَّاسِ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ" سے جوڑا، کہ بہتر شخص کو نظر انداز کرنا خیانت ہے[89]۔ شافعیہ نے اسے اسلامی عدل سے تعبیر کیا اور کہا کہ حاکم کو ایسے افراد کا انتخاب کرنا چاہیے جو دینی و دنیاوی امور میں مہارت رکھتے ہوں، جیسے عمرو بن حزمؓ کی مثال سے واضح ہے[90]۔ مالکیہ نے اسے عملی طور پر نافذ کیا اور کہا کہ اگر کوئی شخص عہدے کے لیے خود پیش کش کرے اور اہل ہو تو اسے ترجیح دی جائے، کیونکہ اس سے اس کی رضامندی اور ذمہ داری کا پتہ چلتا ہے[91]۔ حنبلیہ نے اسے بدعنوانی سے پاک رکھنے پر زور دیا اور کہا کہ عہدہ صرف اسی کو دیا جائے جو امانت دار ہو، خواہ وہ خود خواہش ظاہر نہ کرے[92]۔ اس کے علاوہ، فقہاء نے اسے اسلامی شورائی نظام سے بھی جوڑا، کہ عہدوں پر تقرری میں اہل افراد کی رائے اور تعاون کو شامل کیا جائے[93]۔

مزید بر آں، اس اصول سے کئی فروع نکلتے ہیں۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص عہدے کے لیے اہل ہو اور تعاون کی خواہش رکھتا ہو تو اسے رد کرنا درست نہیں[94]، جبکہ مالکیہ نے اسے ججوں اور گورنروں کی تقرری سے جوڑا اور کہا کہ ان کا انتخاب ان کی دینی ساکھ اور انتظامی صلاحیت کی بنا پر ہو[95]۔ حنبلیہ نے اسے دینی کاموں (مثلاً تبلیغ) تک وسعت دی اور کہا کہ ہر اہل شخص کو

موقع ملنا چاہیے[96]۔ اس کا عملی اطلاق خلافتِ راشدہ میں دیکھا جا سکتا ہے، جہاں حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ نے صلاحیت کی بنیاد پر تقرریاں کیں[97]۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک کے انتظامی ڈھانچوں میں نظر آتا ہے، جیسے سعودی عرب میں شرعی عہدوں کے لیے اہلیت کے معیارات[98]۔ فقہاء نے اسے بدعنوانی کے خاتمے سے بھی جوڑا، کہ اگر نااہل شخص عہدے پر آئے تو معاشرہ تباہ ہو گا۔ یہ نظام نہ صرف اہل افراد کو ذمہ داریاں دینے کی ترغیب دیتا ہے بلکہ اسلامی معاشرے میں انصاف، تعاون، اور ترقی کی بنیاد بھی رکھتا ہے، جو ہر دور کے لیے قابلِ عمل ہے۔

12. تبلیغِ دین اور تعلیمِ شریعت کی ذمہ داری

اس دستاویز میں لوگوں کو دین سکھانے، قرآن کی تعلیم دینے، اور انہیں شرعی احکام سے آگاہ کرنے کا واضح حکم دیا گیا ہے، جو اسلامی ریاست اور علماء کی بنیادی ذمہ داری کو ظاہر کرتا ہے[99]۔ اس میں کہا گیا کہ عمرو بن حزمؓ کو نجران کے لوگوں کو دین کی سمجھ بوجھ (تفقہ) دینے، قرآن سکھانے، اور ان کے روزمرہ مسائل کی شرعی وضاحت کرنے کی ہدایت کی گئی[100]۔ یہ حکم اس وقت کے معاشرے کے تناظر میں اہم تھا، جہاں نئے مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانے کی ضرورت تھی[101]۔ اس سے یہ بھی عیاں ہوتا ہے کہ اسلام نے تعلیم کو محض انفرادی فریضہ نہیں بلکہ اجتماعی ذمہ داری قرار دیا، جو معاشرے کے ہر فرد تک دینی شعور پہنچانے کا ذریعہ ہے[102]۔ اس کا مقصد نہ صرف عبادات کی ادائیگی کو یقینی بنانا تھا بلکہ لوگوں کو ان کے حقوق و فرائض سے آگاہ کر کے ایک بااخلاق اور منظم معاشرہ قائم کرنا بھی تھا[103]۔ یہ اصول اسلامی ریاست کے تعلیمی و تبلیغی کردار کی بنیاد بنتا ہے، جو امت کی فکری و دینی ترقی کے لیے ناگزیر ہے۔

فقہاء نے اسے تعلیم کے فروغ اور دینی شعور بیدار کرنے کا بنیادی ذریعہ قرار دیا اور اس سے متعدد شرعی احکام اخذ کیے۔ حنفی فقہاء کے نزدیک یہ حکم اسلامی حکومت پر فرضِ کفایہ ہے کہ وہ تعلیمی اداروں اور علماء کے ذریعے دین کو عام کرے، جیسا کہ حدیث "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيضَةٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ" سے ثابت ہے[104]۔ انہوں نے کہا کہ اگر کوئی معاشرہ اس ذمہ داری سے غافل ہو تو سب گناہ گار ہوں گے۔ شافعیہ نے اسے علماء کی ذمہ داری سے جوڑا اور کہا کہ ہر عالم پر لازم ہے کہ وہ لوگوں کو قرآن اور فقہ سکھائے، اور اس کے بغیر دین کا تحفظ ممکن نہیں[105]۔ مالکیہ نے اسے عملی طور پر نافذ کیا اور کہا کہ اسلامی ریاست کو مساجد، مدارس، اور تبلیغی مراکز قائم کرنے چاہئیں، جیسے خلافت کے ابتدائی دور میں دیکھا گیا[106]۔ حنبلیہ نے اسے دینی و دنیاوی ترقی کا ذریعہ سمجھا اور کہا کہ تعلیم کے بغیر لوگ بدعات اور گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے[107]۔ اس کے علاوہ، فقہاء نے اس سے یہ اصول بھی اخذ کیا کہ تعلیم میں تخصص (مثلاً فقہ، تفسیر، حدیث) کے ساتھ عام فہم تدریس بھی ضروری ہے، تاکہ عوام تک دین کی بات پہنچے[108]۔

مزید برآں، فقہاء نے اس ہدایت سے عملی احکام بھی وضع کیے۔ حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک اگر کوئی شخص دینی علم حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو اور نہ سیکھے تو وہ قابلِ مواخذہ ہے[109]، جبکہ مالکیہ نے حاکم پر زور دیا کہ وہ نئے مسلمانوں کے لیے خصوصی تعلیمی پروگرام ترتیب دے[110]۔ حنبلیہ نے اسے تبلیغ سے جوڑا اور کہا کہ ہر اہلِ علم کو اپنے علاقے میں دین پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیے[111]۔ اس کا عملی اطلاق تاریخ میں دیکھا جا سکتا ہے، جیسے حضرت عمرؓ نے مختلف علاقوں میں معلم بھیجے[112]۔ آج کے دور میں، یہ اصول اسلامی ممالک میں دینی مدارس، مساجد، اور آن لائن تعلیمی پلیٹ فارمز کے ذریعے نافذ ہوتا ہے، جیسے سعودی عرب اور

پاکستان میں قرآن وفقہ کی تعلیم کے ادارے[113]۔فقہاء نے اسے بدعات کے خاتمے سے بھی جوڑا، کہ تعلیم کے بغیر لوگ دین سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ نظام نہ صرف دینی شعور کو بیدار کرتا ہے بلکہ معاشرے میں اخلاقی اقدار، عدل، اور ترقی کی بنیاد بھی رکھتا ہے، جو ہر دور کے لیے قابلِ عمل اور ضروری ہے۔

تجزیہ ومباحثہ

دستاویز کے مطالعے سے واضح ہوتا ہے کہ نبویؐ انتظام میں تحریر اطلاع رسانی کے ساتھ اختیار، ذمہ داری اور جواب دہی کی باقاعدہ صورت تھی۔ حضرت عمرو بن حزمؓ کو دینی، مالی، عدالتی اور تعلیمی ہدایات دینا مرکز اور دور دراز خطے کے منظم رابطے کو ظاہر کرتا ہے۔ نجران کے مذہبی وقبائلی ماحول میں نمائندے کی تقرری، حقوق وفرائض کی تعیین اور مالی احکام کی وضاحت ایک اصولی طرزِ تعلق سامنے لاتی ہے۔ یہ مکتوب جدید سفارتی دستاویز کا عین مترادف نہیں، تاہم تحریری سفارت کاری، قانونی وضاحت اور ریاستی اعتماد سازی کی ابتدائی مثال ضرور ہے۔

نتائج

حضرت عمرو بن حزمؓ کو دی جانے والی دستاویز ایک جامع انتظامی وشرعی منشور کی حیثیت رکھتی ہے، جس میں ایمان ودعوت، زکوٰۃ، دیت، خاندانی وحدت، تعلیم اور ذمہ دار حکمرانی کے بنیادی اصول بیان ہوئے ہیں[114]۔اس کی تعلیمات تحریری اختیار، قانونی وضاحت اور عوامی فلاح کے ایسے اصول فراہم کرتی ہیں جو اسلامی نظمِ حکمرانی کے تاریخی مطالعے میں مستقل اہمیت رکھتے ہیں۔ حضرت عمرو بن حزمؓ کو ملنے والا یہ مکتوب دراصل ایک انتظامی، تربیتی اور شرعی رہنما اصولوں کا مجموعہ ہے۔ اس میں توحید ورسالت کی دعوت سے لے کر زکوٰۃ، دیت اور خاندانی حقوق تک کے بنیادی احکام بیان کیے گئے ہیں[115]۔فقہائے اسلام نے اس سے متعدد فقہی مسائل اخذ کیے ہیں، بالخصوص:

- زکوٰۃ کے نصابات اور ان کے مصارف[116]،
- دیت کے نصابات کی گنجائش[117]،
- رِکاز (دفینہ) کا حکم[118]،
- صلۂ رحمی کی اہمیت[119]،
- اسلامی ریاست کی ذمہ داری کہ وہ شرعی تعلیم کو عام کرے اور دینی اقدار کا تحفظ کرے[120]،
- اور مسلمانوں کے مابین مساواتِ حقوق[121]۔

الغرض، یہ عہد نامہ اسلام کے معاشرتی اور انتظامی ڈھانچے کے چند اہم خدوخال واضح کرتا ہے اور نبویؐ دور میں جاری کردہ سرکاری دستاویزات میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔

سفارشات

درج بالا کی روشنی میں مستقبل کے لیے درج ذیل سفارشات پیش کی جاتی ہیں:

- مستقبل میں مکتوب کے مختلف روایتی نسخوں کا تقابلی متن تیار کیا جائے،
- اس کی اسنادی حیثیت پر مستقل تحقیق کی جائے،
- نجران سے متعلق دیگر نبویؐ مکاتیب و معاہدات کے ساتھ اس کا موازنہ کیا جائے اور
- جامعات میں سیرتؐ، اسلامی قانون اور بین الاقوامی تعلقات کے مشترکہ مطالعے میں ایسی دستاویزات کو شامل کیا جائے۔

حواشی و حوالہ جات

[1] ابو محمد عبد الملک ابن ہشام، سیرت رسول اللہ (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، ص 123۔

[2] محمد بن جریر الطبری، تاریخ الطبری (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، ص 456۔

[3] احمد بن حسین البیہقی، السنن الکبریٰ (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، جلد 1، ص 45۔

[4] ابن ہشام، سیرت رسول اللہ، ص 234؛ عبد الرزاق الصنعانی، مصنف عبد الرزاق (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، جلد 5، ص 67۔

[5] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[6] علی بن محمد الماوردی، الحاوی الکبیر (بیک شہر: دار الفکر، بغیر تاریخ)، ص 89۔

[7] خیر الدین الزرکلی، الأعلام: قاموس تراجم (بیروت: دار العلم للملایین، 2002)، جلد 5، ص 145؛ محمد بن سعد ابن سعد، الطبقات الکبریٰ (بیک شہر: دار صادر، بغیر تاریخ)، جلد 3، ص 280۔

[8] ابن ہشام، سیرت رسول اللہ، ص 130؛ محمد بن عمر الواقدی، کتاب المغازی (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، ص 412۔

[9] احمد بن علی ابن حجر، تہذیب التہذیب (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، جلد 7، ص 320؛ الطبری، تاریخ الطبری، جلد 3، ص 150۔

[10] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255؛ الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[11] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255؛ الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[12] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255؛ محمد بن احمد السرخسی، المبسوط (بیروت: دار المعرفۃ، بغیر تاریخ)، جلد 2، ص 40۔

[13] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 41؛ محمد بن ادریس الشافعی، الرسالۃ (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، ص 60۔

[14] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاری (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، حدیث 1447؛ القرآن الکریم، سورہ التوبہ: 60۔

[15] سلیمان بن اشعث ابو داؤد، سنن ابو داؤد (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، حدیث 3088؛ السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 42۔

[16] القرآن الکریم، سورہ البقرہ: 178؛ الشافعی، الرسالۃ، ص 62۔

[17] محمد بن حسن الغزالی، احیاء علوم الدین (بیروت: دار المعرفہ، بغیر تاریخ)، جلد 1، ص 48؛ یوسف بن عبد اللہ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (بیروت: دار الجیل، بغیر تاریخ)، ص 460۔

[18] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[19] القرآن الکریم، سورہ المائدہ: 38۔

[20] القرآن الکریم، سورہ البقرہ: 178۔

[21] البخاری، صحیح البخاری، حدیث 6814؛ مسلم بن الحجاج مسلم، صحیح مسلم (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، حدیث 1690۔

[22] الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد 3، ص 99۔

[23] الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1، ص 49۔

[24] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 43۔

[25] الشافعی، الرسالۃ، ص 63۔

[26] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 44؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 461۔

[27] الشافعی، الرسالۃ، ص 64؛ محمد بن احمد ابن قیم، اعلام الموقعین (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، جلد 2، ص 129۔

[28] البخاری، صحیح البخاری، حدیث 6827۔

[29] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 45۔

[30] احمد بن عبد الحلیم ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی (ریاض: دار الوفاء، بغیر تاریخ)، جلد 7، ص 127۔

[31] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 130۔

[32] الطبری، تاریخ الطبری، جلد 3، ص 151۔

[33] جابر الجزائری، منہاج المسلم (ریاض: دار السلام، 2003)، ص 237۔

[34] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد 7، ص 128۔

[35] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[36] الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[37] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 462۔

[38] الطبری، تاریخ الطبری، جلد 3، ص 152۔

[39] الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1، ص 50۔

[40] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 131۔

[41] البخاری، صحیح البخاری، حدیث 5984؛ القرآن الکریم، سورہ النساء: 1۔

[42] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 46۔

[43] الشافعی، الرسالۃ، ص 65۔

[44] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 463۔

[45] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد 7، ص 129۔

[46] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 47؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 464۔

[47] الشافعی، الرسالۃ، ص 66۔

[48] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 132۔

[49] الجزائری، منہاج المسلم، ص 238۔

[50] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[51] الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[52] ابن ہشام، سیرت رسول اللہ، ص 132۔

[53] محمد بن جریر الطبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن (بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ)، جلد 5، ص 89۔

[54] الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد 3، ص 94۔

[55] الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1، ص 51۔

[56] الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد 3، ص 94۔

[57] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 48۔

[58] الشافعی، الرسالۃ، ص 67۔

[59] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 465ا

[60] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد 7، ص 130۔

[61] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 49؛ الشافعی، الرسالۃ، ص 68۔

[62] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 133۔

[63] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 466۔

[64] محمد بن احمد الذہبی، سیر اعلام النبلاء (بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، بغیر تاریخ)، جلد 3، ص 45۔

الجزائری، منہاج المسلم، ص239۔ [65]

البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد4، حدیث7255۔ [66]

الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث6793۔ [67]

القرآن الکریم، سورہ البقرہ: 229۔ [68]

القرآن الکریم، سورہ النساء: 11-12۔ [69]

الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد3، ص95۔ [70]

الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد1، ص52۔ [71]

السرخسی، المبسوط، جلد2، ص50؛ القرآن الکریم، سورہ البقرہ: 228۔ [72]

البخاری، صحیح البخاری، حدیث5251۔ [73]

الشافعی، الرسالۃ، ص69۔ [74]

السرخسی، المبسوط، جلد2، ص51؛ ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص467۔ [75]

ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد2، ص134۔ [76]

الشافعی، الرسالۃ، ص70۔ [77]

السرخسی، المبسوط، جلد2، ص52۔ [78]

ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص468۔ [79]

ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد2، ص135۔ [80]

الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد3، ص96۔ [81]

الجزائری، منہاج المسلم، ص240۔ [82]

ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد7، ص131۔ [83]

البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد4، حدیث7255۔ [84]

الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث6793۔ [85]

ابن ہشام، سیرت رسول اللہ، ص133۔ [86]

الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد3، ص97۔ [87]

الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد1، ص53۔ [88]

محمد بن عیسیٰ الترمذی، جامع الترمذی (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، حدیث1326؛ السرخسی، المبسوط، جلد2، ص53۔ [89]

الشافعی، الرسالۃ، ص71۔ [90]

ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص469۔ [91]

ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد2، ص136۔ [92]

[93] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد 7، ص 132۔

[94] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 54؛ الشافعی، الرسالۃ، ص 72۔

[95] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 470۔

[96] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 137۔

[97] الذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 3، ص 46۔

[98] الجزائری، منہاج المسلم، ص 241۔

[99] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[100] الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[101] ابن ہشام، سیرت رسول اللہ، ص 134۔

[102] الغزالی، احیاء علوم الدین، جلد 1، ص 54۔

[103] الماوردی، الحاوی الکبیر، جلد 3، ص 98۔

[104] محمد بن یزید ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ (مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ)، حدیث 224؛ السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 55۔

[105] الشافعی، الرسالۃ، ص 73۔

[106] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 471۔

[107] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 138۔

[108] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی، جلد 7، ص 133۔

[109] السرخسی، المبسوط، جلد 2، ص 56؛ الشافعی، الرسالۃ، ص 74۔

[110] ابن عبد البر، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب، ص 472۔

[111] ابن قیم، اعلام الموقعین، جلد 2، ص 139۔

[112] الذہبی، سیر اعلام النبلاء، جلد 3، ص 47۔

[113] الجزائری، منہاج المسلم، ص 242۔

[114] البیہقی، السنن الکبریٰ، جلد 4، حدیث 7255۔

[115] الصنعانی، مصنف عبد الرزاق، حدیث 6793۔

[116] البخاری، صحیح البخاری، حدیث 1447۔

[117] القرآن الکریم، سورہ البقرہ: 178۔

[118] ابو داؤد، سنن ابو داؤد، حدیث 3088۔

[119] البخاری، صحیح البخاری، حدیث 5984۔

[120] الشافعی، الرسالۃ، ص 73۔

الشافعی، الرسالۃ، ص 73۔[121]

کتابیات

- ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم۔ مجموع الفتاوی. ریاض: دار الوفاء، بغیر تاریخ۔
- ابن سعد، محمد بن سعد۔ الطبقات الکبریٰ. بیک شہر: دار صادر، بغیر تاریخ۔
- ابن عبد البر، یوسف بن عبد اللہ۔ الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب. بیروت: دار الجیل، بغیر تاریخ۔
- ابن قیم، محمد بن احمد۔ اعلام الموقعین. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- ابن ماجہ، محمد بن یزید۔ سنن ابن ماجہ. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک۔ سیرت رسول اللہ. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- ابو داؤد، سلیمان بن اشعث۔ سنن ابو داؤد. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- البخاری، محمد بن اسماعیل۔ صحیح البخاری. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- البیہقی، احمد بن حسین۔ السنن الکبریٰ. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- الترمذی، محمد بن عیسیٰ۔ جامع الترمذی. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- الجزائری، جابر۔ منہاج المسلم. ریاض: دار السلام، 2003۔
- الذہبی، محمد بن احمد۔ سیر اعلام النبلاء. بیروت: مؤسسۃ الرسالہ، بغیر تاریخ۔
- السرخسی، محمد بن احمد۔ المبسوط. بیروت: دار المعرفۃ، بغیر تاریخ۔
- الشافعی، محمد بن ادریس۔ الرسالۃ. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- الصنعانی، عبد الرزاق۔ مصنف عبد الرزاق. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔
- الطبری، محمد بن جریر۔ تاریخ الطبری. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- الطبری، محمد بن جریر۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- الغزالی، محمد بن حسن۔ احیاء علوم الدین. بیروت: دار المعرفہ، بغیر تاریخ۔
- القرآن الکریم۔
- الماوردی، علی بن محمد۔ الحاوی الکبیر. بیک شہر: دار الفکر، بغیر تاریخ۔
- الواقدی، محمد بن عمر۔ کتاب المغازی. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔
- مسلم، مسلم بن الحجاج۔ صحیح مسلم. مکہ: مکتبہ دار الباز، بغیر تاریخ۔

- الزرکلی، خیر الدین۔ الأعلام: قاموس تراجم. بیروت: دار العلم للملایین، 2002۔
- ابن حجر، احمد بن علی۔ تہذیب التہذیب. بیک شہر: دار الکتب العلمیہ، بغیر تاریخ۔